© rasailojaraid.com

مولانا فراہی کا ایک نادر غیر مطبوعہ خط

ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی

مولانا فراہی کی حیات و خدمات پر ایک تحقیقی مقالہ مرتب کرنے کا منصوبہ مجھے ادارے کی طرف سے تفویض ہوا تو علمی حلقوں میں اس کا خیر مقدم کیا گیا مگر مجھے روزِ اول سے یک گونہ تامل اور قدرے تردد سا رہا اس لئے کہ راستے کی مشکلات اور عملی دشواریوں کا مجھے شروع ہی میں اندازہ ہو گیا تھا۔ پاکستان میں مواد کی نایابی اور ہندوستان کے سفر میں حائل پابندیوں کے پیشِ نظر اس منصوبے پر کوئی ڈھنگ کا کام کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن نظر آتا تھا۔ پھر بھی میں نے اس کام کا بیڑا اٹھانے کی جرأت کی۔ ابھی یہ کہنا تو مشکل ہے کہ میں اپنے نقشے اور معیار کے مطابق اس منصوبے کی تکمیل میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ بہر حال میری اس جرأتِ رندانہ کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ میں نے بہت سی ایسی چیزیں تلاش کر ڈالیں جن کا سراغ لگانا آسان نہ تھا۔ گذشتہ دو برسوں میں میں نے ہندوستان کے دو سفر کیے۔ ہندوستان میں نقل و حرکت کی پابندیوں کے باوجود میں نے تلاش و جستجو میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ جوئندہ یابندہ۔ من جدّ وجد۔ اس جستجو میں بہت کچھ ہاتھ آیا۔ بعض ایسی دستاویزوں تک رسائی ہوئی جن کے ملنے کی بظاہر کوئی توقع نہ تھی۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔ ان میں سے بعض چیزیں جو زیادہ نادر اور اہم ہیں اور جن کے ضیاع کا اندیشہ ہے سوچا بلا تاخیر ان کو فکر و نظر کے صفحات میں محفوظ کر دیا جائے۔ مقالے کی ترتیب و اشاعت کے انتظار میں ان کو روکے رکھنا غیر ضروری ہی نہیں نقصان دہ نظر آیا۔

باقیاتِ فراہی کی تلاش میں مجھے سب سے زیادہ ناکامی ان کے خطوط کے حصول ہی میں ہوئی۔ سوانح حیات اور علمی خدمات کی ترتیب میں خطوط کو جو اہمیت حاصل ہے اس کے پیشِ نظر میں نے نہایت سرگرمی سے ان کی تلاش کی مگر افسوس کہ مجھے آخر تک کوئی قابلِ ذکر کامیابی نہیں ہوئی۔ اکا دکا خطوط کا مل جانا خوشی کی بات سہی اس سے مقصد حل نہیں ہوتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ خیال کہ مولانا نے خطوط لکھے ہی کم ہوں گے درست معلوم نہیں ہوتا۔ فراہی کے نام شبلی کے خطوط چھپ چکے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے شبلی کے نام فراہی کے خطوط کی اہمیت کا باعتبار کیف وکم بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ صاف نظر آتا ہے کہ فراہی نے کثرت سے خطوط لکھے، مفصل اور طویل خطوط لکھے، ان میں کتنے ہی اہم علمی مسائل پر گفتگو اور بحث تھی۔ کاش مولانا فراہی کے امینوں اور جانشینوں نے بروقت اس طرف توجہ کی ہوتی۔ خدا ہی جانے یہ علمی سرمایہ ناقدری زمانہ کا شکار ہو کر ہمیشہ کے لئے تلف ہو گیا یا کہیں دفن کسی کوہکن کی آمد کا منتظر ہے۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا۔

ہندوستان کے سفر میں جو خطوط ہاتھ لگے ان میں سے ایک خط سردست بصورت عکس قارئین کی نذر ہے۔ یہ خط علمی اعتبار سے کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں پھر بھی اس سے فراہی کی شخصیت اور کردار کے کئی پہلو سامنے آتے ہیں۔ مولانا کی شخصیت پر دین اور دینی تعلیمات کا جو اثر تھا اس کا پرتو اس خط کی ہر ہر سطر سے نمایاں ہے اس خط کے لئے میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے نائب ناظم احمد محمود صاحب کا شکر گزار ہوں۔ یہ خط اس وقت انہی کی ملکیت ہے۔ احمد محمود صاحب مدرسۃ الاصلاح میں میرے ہم جماعت رہ چکے ہیں۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق　　　او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

زمانۂ طالب علمی سے میرے اور ان کے درمیان ایک طرح کا خصوصی ربط و تعلق ہے۔ نہیں معلوم انہوں نے اس دیرینہ تعلق کا پاس کیا یا ان کی شرافت نفس نے انہیں مجبور کیا کہ وہ اپنی متاع عزیز یوں ایک پردیسی کے حوالہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ انہوں نے جس طرح اس خط کو حرز جاں بنا کر رکھ رکھا تھا واقعہ یہ کہ اسے میرے حوالہ کر کے انہوں نے بڑے ایثار کا ثبوت دیا۔ انہوں نے اس شرط پر پاکستان لانے کی اجازت بھی دے دی کہ میں کام لینے کے بعد اصل بحفاظت انہیں واپس کر دوں گا۔ انہوں نے مجھ پر اعتماد کیا اور میں نے ان کے اعتماد کو مجروح نہیں کیا۔

ہر چند کہ اس خط کی استنادی حیثیت مسلم تھی پھر بھی میں نے احمد محمود صاحب سے سوالات کر کے اس کی پوری تاریخ معلوم کی۔ احمد محمود صاحب خود اصلاحی ہیں اور آج کل اس مدرسہ کے نائب ناظم ہیں، مولانا فراہی عین حیات جس کے ناظم رہے، اس لئے فراہی کے ساتھ ان کی نسبت اور فراہی کے خط کے ساتھ ان کی دلچسپی کسی وضاحت کی محتاج نہیں۔ رہا یہ سوال کہ یہ خط ان تک کیسے پہنچا۔ تو انہیں یہ خط اپنے سسرالی عزیزوں سے ملا۔ یہ خط حکیم یوسف صاحب کے خاندان میں تھا۔ جن کی نواسی احمد محمود صاحب سے منسوب ہیں۔ حکیم صاحب شبلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ ہم وطن اور قرابت دار تھے۔ شبلی اور فراہی کے خاندانوں میں کئی پشتوں سے دو طرفہ تعلقات اور رشتہ داریوں کا سلسلہ ہے۔ حکیم یوسف فراہی کے شاگرد بھی تھے۔ فراہی کی ایک پوتی حکیم یوسف کے ایک لڑکے سے بیاہی گئی۔ وغیر ذالک۔

یہ خط مولانا نے ۱۹۰۴ء میں کراچی سے اپنے صاحبزادے محمد سجاد صاحب کو لکھا۔ سجاد صاحب ابھی حیات ہیں۔ گو ان کی عمر اسّی (۸۰) سے متجاوز ہو چکی ہے عمر کے لحاظ سے ان کی صحت اچھی ہے۔ یہ خط میرے ہاتھ آیا تو میں نے ان کے گاؤں جا کر انہیں دکھایا۔ انہوں نے تصدیق کی کہ یہ خط ان کے والد ہی کا ہے اور انہی کے نام ہے انہوں نے مجھے ایک تحریر بھی لکھ کر دی جو کاغذات میں کہیں گم ہو گئی اور تلاش کے باوجود نہیں ملی۔ خط کے کاغذ، روشنائی، مضمون اور تحریر، ہر بات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ خط انہی کے ہاتھ کا ہے۔ خط کی تحریر بڑی پاکیزہ یکساں اور پختہ ہے۔ مولانا کے مسودوں کی تحریر کا انداز بھی تقریباً یہی ہے۔ پنسل سے لکھے ہوئے مسودوں کی اصل دائرہ حمیدیہ میں محفوظ ہے۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ صفحات کے صفحات اسی طرح خوبصورت اور خوشخط انداز پہ لکھتے چلے جاتے ہیں۔ سطریں ایسی سیدھی اور برابر ہوتی ہیں جیسے کہ سانچے میں ڈھلی ہوں۔ یہ خط وفات سے ۲۵ سال پہلے کا ہے اس لئے اس میں قلمی مسودات کی نسبت صوری نظم و انضباط کم ہے۔

خط کی تاریخ اور ظاہری پہلوؤں کے بعد خط کے متن اور معنوی پہلوؤں پر نظر ڈالیں تو اس میں کئی باتیں توجہ کو اپنی طرف مبذول کرتی ہیں۔ القاب میں نورِ چشمی، نورِ نظر، قرۃ العین، لختِ جگر، برخوردار وغیرہ کی بجائے سیدھے سادے طریقے پر "عزیزمن" سے خط کا آغاز کرتے ہیں۔ معاشرتی طور پہ دستور سا بن گیا ہے کہ خط میں چھوٹوں کو سلام کی بجائے دعائیہ کلمات سے یاد کرتے ہیں۔ مثلاً طول عمرہ۔ خوش رہو وغیرہ۔ لیکن مولانا ایک بچے کو بھی مسنون طریقے پر "السلام علیکم" لکھتے ہیں۔ معروف اور مروج طریقوں سے ہٹ کر وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جس میں ارشاد رسول "افشوا السلام" کی تعمیل اور اتباع سنت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس کے بعد خط کے متن پر نظر کریں تو اول تا آخر ایک ایسے مسلمان باپ کی تصویر سامنے آتی ہے جو اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت، اصلاحی خطوط پر کرنے کے لئے فکرمند بلکہ کوشاں نظر آتا ہے۔ ہزاروں میل دور رہ کر بھی انہیں نہ صرف بچوں کی تعلیم کا خیال ہے بلکہ صحیح دینی تربیت کا بھی۔ پڑھنے لکھنے کی عام باتوں سے لے کر نماز تک کے لئے تاکیدی تلقین ہے۔ دیندار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمان گھرانوں میں بچے کو سات سال کی عمر سے نماز کی تاکید شروع ہو جاتی ہے۔ بلکہ ضرورت پڑنے پر بچے کو بدنی سزا بھی دیتے ہیں۔ یہ خط جس وقت لکھا گیا سجاد صاحب کی عمر سات سال ہو چکی تھی۔ ۱۸۹۰ء ان کا سن پیدائش ہے۔ بات کہنے کے انداز کو دیکھیں تو "خاطبوا الناس علی قدر عقولہم" کے پُرحکمت اسلوب کی جھلکیاں بھی اس خط میں صاف نظر آئیں گی۔ زبان اور مطالب دونوں پہلوؤں سے اس کا لحاظ ان کے مدنظر ہے۔ وہ ہفت سالہ بچے سے اس کی سطح پر اتر کر بات کرتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ اسی میں اسے اس کی سطح سے اوپر اٹھانے کے اہتمام کا مشاہدہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس عمل میں حزم و احتیاط کے وہ تمام نکتے ان کے پیش نظر رہتے ہیں جو کسی نرم و نازک شے کو برتنے میں ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

مولانا شاعر بھی تھے۔ شاعری میں انہوں نے زیادہ تر صنف قصیدہ کو ہی برتا ہے۔ قصیدے میں ایک چیز "گریز" ہوتی ہے۔ مطلع کے بعد تشبیب سے گذر کر جب شاعر مدح پر آتا ہے تو تشبیب اور مدح کو ملانے والی بیچ کی کڑی "گریز" کہلاتی ہے۔ گریز شاعر کے لئے ایک دشوار گذار گھاٹی ہوتی ہے۔ اور اس گھاٹی کو عبور کرنے میں اس کی فنی مہارت کا امتحان ہوتا ہے۔ مولانا نے اس خط میں ایک جگہ بڑی خوبی سے نہیں معلوم شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر، صنف قصیدہ والے گریز کا استعمال کیا ہے "جس قدر تم کو مجھ سے ملنے کا شوق ہے اسی قدر یا اس سے زیادہ مجھ کو تم سے ملنے کا شوق ہے"۔ ایک انسان سے ایک انسان کے ملنے کا شوق یا علاقہ تضائف رکھنے والے باپ بیٹے کا ایک دوسرے سے ملنے کا شوق ایک معمولی بات سے زیادہ نہیں۔ اس سے فائدہ اٹھا کر مولانا نے کس طرح خدا اور بندے کی ملاقات کا مضمون پیدا کیا ہے اہل نظر اور اصحاب ذوق ہی اس کی داد دے سکتے ہیں۔ "جو بندہ خدا سے ملنے کا شوق رکھتا ہے اس سے زیادہ خدا اس سے ملنے کا شوق رکھتا ہے"۔

مولانا کے حالات زندگی میں یا ان کی تحریروں میں تصوف کا ذکر نہیں ملتا اور یہ پتا نہیں چلتا کہ تصوف کے بارے میں ان کا نظری یا عملی رویہ کیا تھا۔ بہرحال اسلام سے الگ اسلامی تصوف یا روحانیت نام کی کوئی چیز اگر خارج میں اپنا وجود رکھتی ہے تو ایک صحیح الفکر مسلمان کے نقطۂ نظر سے اس کا اطلاق جس بات پر ہو سکتا ہے اس کا عکس اس خط میں دیکھا جا سکتا ہے۔ باپ بیٹے کے شوق ملاقات کے ذکر سے خدا اور بندے کی ملاقات اور دو طرفہ تعلق کی بات پیدا کر کے نماز کی طرف توجہ اور نماز کے متعلق سلسلۂ تلقین کا موقع نکالنا کسی ایسے دل دماغ ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا کام ہو سکتا ہے جس میں دین کے سوا کسی اور چیز کے لئے جگہ نہ ہو۔

تصنیف و تالیف میں مولانا نے عربی کو ذریعہ اظہار خیال بنایا ہے۔ فارسی میں بھی بعض چیزیں مل جاتی ہیں۔ لیکن اُردو اس لحاظ سے محرومی کا شکار رہی۔ مگر جہاں تک خطوط کا تعلق ہے بالعموم وہ اردو ہی میں لکھتے تھے۔ ان کے اردو خطوط مل جائیں تو زبان و ادب کے اعتبار سے ان کا مطالعہ تاریخ ادب اُردو، بالخصوص اُردو مکتوب نگاری کی ایک کڑی کی حیثیت سے یقیناً دلچسپ اور مفید ہوگا۔ زیر بحث خط ایک کمسن بچے کے نام ہے پھر بھی اُردو زبان وادب کے پارکھ زبان و بیان کے لحاظ سے اس خط کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ مولانا کی زبان، اسلوب بیان اور طرز تحریر پر تفصیل سے پھر کبھی لکھا جائے گا۔ بالفعل اس طرف اشارہ ہی کیا جا سکتا ہے۔

اس خط میں ایک اور بات قابل توجہ مولانا کی طرز املا ہے۔ خاص کر وہ مقامات جہاں موجودہ طرز املا سے انحراف ہے۔ ہائے ہوز مخلوط و غیر مخلوط لکھنے میں انہوں نے کسی ایک قاعدے کی پابندی نہیں کی ہے۔ ایک طرف وہ تمہارا، بھیجنے، مجھ، تھی، لکھنا، پڑھنا، ڈیڑھ، بھی، رکھنا چھپ، سکھلانا، دیکھنا جیسے الفاظ میں ہائے مخلوطی (دوچشمی) نہیں لکھتے تو دوسری طرف نہایت جیسے الفاظ میں دوچشمی لکھتے ہیں۔ جبکہ ہوئی، ہی، ہاں چاہیئے، مہینے، یہاں، یہی، ظاہر، رہیں، ہیں میں انہوں نے دوچشمی نہیں لکھی ہے۔

ایک اور فرق یائے معروف اور یائے مجہول کے استعمال میں نظر آتا ہے۔ اس خط میں "ہے" یائے معروف کے ساتھ بھی ہے اور یائے مجہول کے ساتھ بھی۔

یائے معروف و یائے مجہول میں وہ دو نقطے لگاتے ہیں۔ مثلاً سے، مرجایے ہی (ہے) دیے، ڈالیے۔

اس کو اوس یعنی واو کے ساتھ لکھا ہے۔

کہیں کہیں دو لفظوں کو ملا کر لکھا ہے مثلاً تمنے (تم نے) مجھکو (مجھ کو) بگڑنیکا (بگڑنے کا) تمکو (تم کو) مجھسے (مجھ سے) اسیقدر (اسی قدر) چھپکر (چھپ کر) وغیرہ

خط کا متن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۰ اکتوبر ۱۹۰۴ء ۔

عزیزمن سجاد سلمہ

السلام علیکم۔ تمہارا خط ملا۔ نہایت خوشی ہوئی۔ خدا کا شکر ہے کہ تم لوگوں کو صحت بخشی۔ اب کی بار تم نے خط بھیجنے میں دیر کی۔ مجھ کو امید تھی کہ تم جلد جلد خط لکھا کروگے۔

کاپی پر لکھنا ضرور ہے۔ بگڑنے کا مضائقہ نہیں۔ ہاں پڑھنے اور لکھنے میں برابر محنت کرنی چاہیئے۔ بلکہ لکھنے میں زیادہ۔

تمہارے لئے چاقو میں نے قصداً نہیں بھیجا۔ مگر آؤں گا تو لیتا آؤں گا۔

ڈیڑھ مہینے کے بعد یہاں تعطیل ہوگی۔

جس قدر تم کو مجھ سے ملنے کا شوق ہے اسی قدر یا اس سے زیادہ مجھ کو تم سے ملنے کا شوق ہے۔ اور یہی حال خدا کا بھی ہے۔ جو بندہ خدا سے ملنے کا شوق رکھتا ہے اس سے زیادہ خدا اس سے ملنے کا شوق رکھتا ہے۔ نماز میں خدا بندے سے چھپ کر ملتا ہے۔ اگر وہ ظاہر ہو تو اس کی روشنی سے بندہ مرجائے۔ اس لئے ظاہر نہیں ہوتا۔ مگر اس کے پاس ضرور آتا ہے۔ اور جو خوب دل لگا کر نماز پڑھتا ہے تو خدا کی خوشبو اس کو معلوم پڑتی ہے۔ اب تم کو چاہیئے اپنا بدن اور کپڑا صاف رکھو اور نماز پڑھو۔ مولوی صاحب سے عرض کرو کہ تم کو نماز سکھلادیں اور ہمیشہ یاد دلاتے اور نصیحت کرتے رہیں۔ میں بہت خوش ہوں گا جب سنوں گا کہ تم باقاعدہ نماز پڑھنے لگے۔ میں یہی دعا کرتا ہوں کہ خدا تم کو نیکی کا شوق دے۔ اور نماز کی محبت دل میں ڈالے۔ کیونکہ نماز سے تمام نیکیاں پیدا ہوتی ہیں۔

زیادہ دعا

حمیدالدین

دیکھو خط جلد لکھنا۔

اصل خط کا عکس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

82289
7.4.92

۱۰ اپریل ۱۹۹۲ء

عزیزمن سید سجاد سلمہٗ

السلام علیکم - تمہارا خط ملا - بہت خوشی ہوئی - خدا کا شکر ہے کہ تم لوگوں کو صحت بخشی - اس بار تم نے خط بھیجنے میں دیر کی - مجھے امید ہے کہ تم جلد جلد خط لکھا کرو گے -

ہاں یہ لکھنا ضروری ہے - تحریر بگڑنے کا مضائقہ نہیں ہاں پڑھنے اور لکھنے میں برابر محنت کرنی چاہیے - بلکہ لکھنے میں زیادہ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارا من لگا جاتو میں قصہ انہیں بتیا۔ تم
آور شکار تو لینا آؤنگا۔

ڈیڑھ مہینے کے بعد یہاں تعطیل ہوگی۔

جس قدر تمکو مجھسے ملن کا شوق ہے اسقدر
با اوس سے زیادہ مجھکو تمسے ملن کا شوق ہے
۲۸ اور یہی حال خدا کا بھی ہے۔ جو بندہ خدا سے
ملن کا شوق رکھتا ہے اوس سے زیادہ
خدا اوس سے ملن کا شوق رکھتا ہے۔ نماز میں
خدا بندہ سے چھپکر ملتا ہے اگر وہ ظاہر ہو تو
اوسکی روشنی سے بندہ مر جائے۔ اسلئے ظاہر
نہیں ہوتا مگر اوسکے پاس ضرور آتا ہے اور
جو خوب دل لگا کر نماز پڑھتا ہے تو خدا کی خوشبو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور سبکو معلوم ہو گیا۔ اب تمکو چاہیے

اپنا بدن اور کپڑا صاف رکھو اور نماز پڑھو

مولوی صاحب سے عرض کرو کہ تمکو نماز سکھلا دیں

اور ہمیشہ یاد دلاتے اور نصیحت کرتے رہیں۔

میں بہت خوش ہونگا جب سنونگا کہ تم باقاعدہ

نماز پڑھنے لگے۔ میں بھی دعا کرتا ہوں

کہ خدا تمکو نیکی کا شوق دیدے۔ اور نماز کی محبت

دل میں ڈالدے۔ کیونکہ نماز سے تمام نیکیاں

پیدا ہوتی ہیں۔ زیادہ دعا۔

حمیدالدین

دیکھو خط جلد لکھنا۔

© rasailojaraid.com